© rasailojaraid.com



# اسلام میں آزادی رائے کی حدود

## ایک علمی مذاکرے کی روئیداد

ڈاکٹر محمود الحسن عارف (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی' اولڈ کیمپس' لاہور)

"مجلس فکر و نظر" اسلامی علوم کے اساتذہ و محققین کی ایک علمی مجلس ہے جو اسلامی تناظر میں عصری مسائل پر غور و فکر کا ایک پلیٹ فارم ہے اور گاہے بگاہے اپنے اجلاس منعقد کر کے اہم موضوعات زیر بحث لاتی ہے۔ حال ہی میں مجلس کا ایک اجلاس شیخ زاید اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب میں ہوا جس میں "اسلام میں آزادی فکر کی حدود" پر پہلے ایک علمی مقالہ پڑھا گیا اور بعد میں شرکائے مجلس نے اس پر گفتگو کی۔ مقالہ نگار ڈاکٹر محمود الحسن عارف (نگران صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب) تھے' جب کہ مجلس کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم اکرام صدر شعبہ اقبالیات جامعہ پنجاب نے کی

ڈاکٹر محمد امین
سیکرٹری مجلس فکر و نظر

اس سے پہلے کہ اپنے موضوع کے حوالے سے کچھ عرض کیا جائے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "آزادی رائے" کی وضاحت کر دی جائے کہ 'اس سے ہماری کیا مراد ہے ؟

" آزادی رائے "کا ایک مفہوم تو وہ ہے' جس کا میدان "عملی سیاست ہے" اسلامی نقطہ نظر سے' ہر انسان پیدائشی طور پر' آزاد اور خود مختار' پیدا ہوتا ہے' اسے اپنی مرضی کے مطابق جینے کا حق حاصل ہے' لہذا آزادی رائے کا یہ فطری حق ہر مسلمان' بلکہ ہر انسان کو حاصل ہے ------ اس بارے میں نہ تو کسی قسم کا ابہام ہے اور نہ ہی اس کے متعلق کسی توضیح و تشریح کی ضرورت ہے۔

جبکہ "آزادی رائے" کا جو مفہوم اس مقالے میں پیش نظر ہے' وہ اس سے قطعی مختلف ہے۔ اس "آزادی رائے" سے مراد--- فقہی مسائل اور قانونی معاملات میں کسی " فقہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



رائے" کا اختیار کرنا ہے' دوسرے لفظوں میں' عصر حاضر کے جدید مسائل کے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے' قرآن و سنت کو سامنے رکھ کر' یہ فتویٰ یا رائے دینا کہ اس کا حکم یہ ہے "رائے دینا" کہلاتا ہے۔ اس اعتبار سے رائے کا لفظ "قیاس" اور کسی حد تک "اجتہاد" کا مفہوم رکھتا ہے' لہٰذا اس مقالے میں رائے سے یہی مفہوم مراد لیا جائے گا۔

## ا۔ قرآن حکیم اور آزادی رائے

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی اور ابدی کلام ہے' جو اس نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل فرمایا'۔۔ یہ قرآن' جہاں ایک طرف عظیم الشان معجزہ ہے وہاں وہ "قانون اسلامی" کا بنیادی منبع اور ماخذ بھی ہے۔

قرآن حکیم میں' ہر انسان کی تکریم و تعظیم کا حکم ہے۔۔ البتہ جہاں تک زیر بحث مسئلے کا تعلق ہے' تو قرآن حکیم دینی مسائل کے فہم کے بارے میں تو کسی قسم کی قید یا پابندی عاید نہیں کرتا' بلکہ ہر مسلمان کو قرآن حکیم اور کائنات میں غور و فکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے' (۱) لیکن جہاں تک فقہی مسائل و معاملات کا تعلق ہے تو ان میں "یَعْلَمُوْنَ" (علم رکھنے والوں) اور "لَایَعْلَمُوْنَ" (علم نہ رکھنے والوں) میں فرق کیا گیا ہے (۲) اور ایسے مسائل و معاملات میں عوام کو علماء سے پوچھنے کی تاکید کی گئی ہے' چنانچہ ارشاد ہے:

"فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ" (۳)

(پس پوچھ لو' اہل علم سے' اگر تم نہیں جانتے)

پھر علم جو اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات حسنیٰ میں سے ہے انسان میں رفتہ رفتہ شعور پاتا ہے' ابتدا میں انسان مختلف باتیں اور امور کے بارے میں معلومات جمع کرتا ہے' پھر قدرت انسان میں استنباط و اجتہاد کا ملکہ اور اس کی بصیرت پیدا کر دیتی ہے' جس کی بنا پر وہ مختلف علمی مسائل و فقہی معاملات کا معائنہ اور تجزیہ کر سکتا ہے' قرآن حکیم نے ایسے ہی رجال علم کو قانونی اور فقہی مسائل میں اظہار رائے کی اجازت دی ہے' چنانچہ سورۃ النساء میں' جہاں حربی اور بین القبائلی معاملات زیر بحث ہیں' ہمیں یہ جامع آیت ملتی ہے:

وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْرَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰىٓ اُولُوا الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔۔۔ (۴)

(اور جب ان کے پاس کوئی امن یا جنگ کی بات آتی ہے' تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وہ اسے اللہ کے رسول اور ان میں سے نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت رکھنے والوں کے پاس پہنچادیتے تو وہ۔اس کی تحقیق کر لیتے)

اسی سورۃ۔۔۔میں اس سے چند آیات پیشتر بھی اسی قسم کا حکم دیا گیا ہے' چنانچہ ارشاد فرمایا:

''فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡئٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ''(۵)

(پھر اگر تمہارا کسی معاملے میں جھگڑا ہو جائے' تو تم اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو' اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو)

اس آیت مبارکہ میں اگرچہ معاملات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا ذکر ہے' لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے علماء اور فقہاء کی طرف معاملات کو لوٹانا مراد ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کو خوب سمجھتے ہیں اور ان کی بنیاد پر کسی مسئلے کی تحقیق کی اہلیت رکھتے ہیں۔

اسی مسئلے کو۔۔۔۔اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ سورۃ التوبہ میں بیان کیا گیا ہے' یہ وہ موقع ہے کہ جب مسلمانوں کے لیے لازمی فوجی خدمت کے حکم میں نرمی عطا کی گئی ہے اور اسے ان کی پسند اور صوابدید پر چھوڑ دیا گیا' اس موقع پر جو حکم آیا اس میں ارشاد فرمایا گیا:

'' وَمَا کَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِیَنۡفِرُوۡا کَآفَّۃً فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ کُلِّ فِرۡقَۃٍ مِّنۡہُمۡ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّہُوۡا فِی الدِّیۡنِ وَلِیُنۡذِرُوۡا قَوۡمَہُمۡ اِذَا رَجَعُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ لَعَلَّہُمۡ یَحۡذَرُوۡنَ''(۶)

(اور اہل ایمان پر' ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں' پس کیوں ایسا نہ ہو کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ اس غرض سے نکلتے کہ وہ دین میں اچھی سمجھ بوجھ' پیدا کریں' اور اپنی قوم کو' جب وہ ان کے پاس لوٹ کر آئیں خبردار کریں تاکہ وہ (برے کاموں سے بچے رہیں۔)

یہاں جو لفظ '' تفقہ '' استعمال ہوا ہے' اس سے مراد دین کا کامل فہم' ہے۔''یہی جملہ آئندہ زمانے میں پیدا ہونے والے خصوصی علم' علم الفقہ کا ماخذ ہے۔اس طرح اس جملے میں آئندہ زمانے میں ہونے والی کاوشوں اور کوششوں کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔

ان مختلف آیات کے مطالعے سے ہم اس نتیجے تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قرآن حکیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میں گہرے علمی مسائل واحکام پر اظہار رائے کو مطلق نہیں چھوڑا گیا' بلکہ اسے گہرے غور و فکر' استنباط اور تفقہ کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

**۲۔ احادیث طیبہ**

اسی طرح احادیث طیبہ میں بھی دینی اور فقہی مسائل پر اظہار رائے کے لیے تفقہ اور گہری بصیرت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں جہاں ایک طرف دینی احکام اور مسائل میں خصوصاً قرآن حکیم کی تفسیر میں "اظہار رائے" سے روکا گیا ہے' وہاں دوسرے موقع پر خود اہل علم کو مسائل واحکام میں غور و فکر اور اجتہاد واستنباط کی اجازت' بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ سنن الترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوّا مقعدہ من النار"(۷)

(جس نے قرآن حکیم کے بارے میں بغیر علم کے کچھ کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے)

یہاں اگرچہ بظاہر قرآن حکیم کے بارے میں رائے دینے سے منع کیا گیا ہے' لیکن اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ علم فقہ بھی دراصل قرآن حکیم یا احادیث نبویہ سے ہی ماخوذ ہونے کی بنا پر دراصل قرآن کے بارے میں اظہار رائے کا نام ہے۔

اسی طرح بعض احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے بارے میں غلط بیانی اور جھوٹ بولنے کی سخت ترین الفاظ میں مذمت فرمائی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"من کذب علی متعمداً فلیتبوّا مقعدۃ من النار"(۸)

(جس شخص نے جان بوجھ کر میرے بارے میں جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے)

فقہ سے اس ممانعت کا تعلق اس طرح ہے کہ فقہ کی اساس قرآن حکیم اور احادیث نبویہ ہی پر ہے' اس لیے کہ مجتہد قرآن وسنت ہی کے کسی حکم سے علت اخذ کر کے اس پر اپنے قیاس کی بنیاد رکھتا ہے۔

دوسری طرف نبی اکرم ﷺ نے خود فقہی مسائل و معاملات میں اجتہاد واستنباط کی اجازت عطا فرمائی ہے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین"(۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے)۔

اسی طرح آپ ہی نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو عامل یمن بنا کر روانہ کرتے ہوئے ان سے استفسار پر فرمایا کہ وہ وہاں جا کر کس طرح فیصلہ فرمائیں گے۔ اور جب انہوں نے اس طریقہ کار کی وضاحت فرمائی جو اسلام کو مطلوب ہے اور جو غالباً انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے ہی سیکھا تھا تو اس پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف فرمائی جس نے حضرت معاذؓ بن جبل کو اس طریقہ اجتہاد کی تعلیم دی تھی (۱۰)' ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ایک قاضی' قاضی شریح کو ان کے استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا تھا :

> "تم مسائل کے فیصلے کے لیے قرآن حکیم کو پیش نظر رکھو' اگر تمہیں کوئی حکم قرآن مجید میں نہ ملے' تو ایسی صورت میں تم نبی اکرم ﷺ کے فیصلوں کو پیش نظر رکھو اور اگر تمہیں وہاں بھی کوئی فیصلہ نہ ملے تو تم اس کے مطابق فیصلہ کرو جس کے مطابق نیک لوگوں (صالحین' مراد خلفائے راشدین اور ان کے عمال ہیں) فیصلہ کرتے رہے' اگر تمہیں وہاں بھی کچھ نہ ملے تو پھر تمہیں اختیار ہے' تم چاہو تو آگے بڑھو اور چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ اور میرے خیال میں پیچھے ہٹنا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے" (۱۱)

مزید براں حدیث نبوی میں قاضی کے لیے اجتہاد (غور و فکر) لازمی قرار دیا گیا ہے اور یہ واضح فرمایا گیا کہ مجتہد اس کے مطابق فیصلہ کرے' پھر وہ صحیح فیصلہ دے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے' اور اگر غلطی کرے اس کے لیے ایک گنا اجر ہے۔

الغرض ہمیں احادیث مبارکہ میں ایک طرف تو "اپنی رائے" کے اظہار سے روکا گیا ہے اور دوسری طرف خود نبی اکرم ﷺ نے متعدد اہل علم کو غور و فکر کے بعد' اظہار رائے کی اجازت' بلکہ حکم دیا ہے۔

## ۳۔ اقوال صحابہ و سلف

قرآن و سنت کی انہی نصوص کی بنا پر' ہمیں صحابہ کرامؓ' تابعینؒ اور بعد کے بزرگوں کے ہاں بغیر علم کے رائے' ظاہر کرنے کے بارے میں سختی نظر آتی ہے' بعض بزرگ تو اس کے متعلق بہت ہی محتاط تھے۔ دوسری طرف متعدد اہل علم کی طرف سے اجتہاد و استنباط کے ذریعے نت نئے پیش آئندہ احکام و مسائل کے بارے میں قانون سازی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ایک قاضی حضرت شریح کو لکھا تھا کہ اگر تمہیں وہ مسئلہ نہ تو قرآن میں ملے اور نہ حدیث میں اور نہ نیک اور صالح لوگوں کے فیصلوں میں تو پھر تم اگر چاہو تو آگے بڑھو یعنی اجتہاد کے ذریعے فیصلہ کرو اور چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ' اور میں تمہارے لیے پیچھے ہٹنے کو ہی بہتر سمجھتا ہوں' (۱۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اس بارے میں بہت محتاط تھے۔

اسی عہد کے ایک اور بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسی طرح کے حالات میں دوٹوک لفظوں میں رائے دینے اور اجتہاد کرنے کا حکم دیا اور فرمایا" اگر اس کے پاس کوئی ایسا معاملہ آجائے جو نہ تو کتاب اللہ میں ہو' نہ سنت نبوی میں اور نہ نیک لوگوں کے فیصلوں میں تو وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور یہ نہ کہے میں توڈرتا ہوں' میں توڈرتا ہوں (۱۳)

## ۴۔ عہد نبوی و عہد صحابہ میں اجتہاد

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے سے قبل عہد نبوی اور عہد صحابہ میں اجتہاد و استنباط احکام یا اظہار رائے کی کوششوں پر ایک نظر ڈال لی جائے' اس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے :

### (ا) عہد نبوی میں اجتہاد

قرآن مجید میں اللہ تعالی کا رشاد ہے :

"وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (النجم)

(اور وہ (پیغمبر) اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے ۔ وہ تو حکم الہی ہے جو آپ کی طرف بھیجا جاتا ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر ﷺ کی ہر بات وحی الہی پر مبنی ہوتی تھی اور اللہ تعالی کی مرضی اور منشا کے خلاف پیغمبر کوئی بات نہیں کہتا۔ لیکن کیا نبی اکرم ﷺ نے کسی موقع پر اجتہاد سے کام لیا یا نہیں ؟ اس کے متعلق فقہاء کے مابین اختلاف ہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ اجتہاد کے لیے مامور تھے یا نہیں اور آپ کے لیے اجتہاد جائز تھا یا نہیں اس سلسلہ میں ہمیں حسب ذیل پانچ اقوال ملتے ہیں :

۱۔ آپ کو وحی کے انتظار کا حکم تھا' لیکن اگر وحی نہ آتی تو آپ کو اجتہاد کرنے کی ہدایت تھی' احناف کے نزدیک یہی مختار قول ہے' پھر اگر قرآن مجید میں آپ ﷺ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس اجتہاد کو برقرار رکھا جاتا تو اس کی صحت قطعی ہو جاتی، ایسی صورت میں اس کی مخالفت حرام تھی۔ احناف ایسے اجتہاد کو وحی باطن "کا نام دیتے ہیں۔

۲۔ وحی کے انتظار کے بغیر آپ ﷺ کو مطلوبہ اجتہاد کا حکم تھا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ عام اصحاب حدیث اور عام علمائے اصول کا یہی مسلک ہے اور امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

۳۔ نہ آپ اجتہاد کے لیے مامور تھے اور نہ آپ کے لیے اجتہاد جائز تھا۔ اشاعرہ اور اکثر معتزلہ یہی کہتے ہیں اہل ظاہر اور امامیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

۴۔ دنیوی اور جنگی امور میں آپ کے لیے اجتہاد جائز تھا، شرعی احکام میں جائز نہ تھا۔

۵۔ صرف جنگی امور میں اجتہاد جائز تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے :

جو ذخیرہ احکام کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے اس کی دو قسمیں ہیں :

(الف) وہ امور جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے

(ب) وہ امور جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں

(الف) وہ امور جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے، اس کی تین قسمیں ہیں :

(۱) علم معاد (آخرت) اور عجائب ملکوت، یہ تمام تر وحی پر مبنی ہیں گویا ان میں اجتہاد نبوی کو کوئی دخل نہیں۔

(۲) شرائع عبادات، ارتفاقات کا ضبط، فضائل اعمال اور مناقب اعمال۔ ان میں سے بعض وحی پر مبنی ہیں اور بعض اجتہاد پر۔

(۳) مصالح مطلق اور علم حکمت کی باتیں، مثلاً اچھے اور برے اخلاق کا بیان، یہ بیشتر اجتہاد پر مبنی ہیں۔

(ب) وہ امور جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں ان میں سے بعض تجربہ پر مبنی ہیں، مثلاً طب نبوی، بعض عادات پر، جیسے حدیث ام زرع اور بعض مصلحت پر، جیسے لشکروں کی ترتیب، دینوی امور اور وہ امور جن کا جنگی تدبیر سے تعلق ہے، ان میں سے کوئی چیز وحی پر مبنی نہیں، دینی امور سے معاد اور ملکوت کو چھوڑ کر تمام چیزیں یا تو اجتہاد پر مبنی ہیں یا وحی پر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مختصراً یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد دو قسم کا تھا:

۱۔ نص سے استنباط، یعنی قیاس کے ذریعہ حکم معلوم کرنا۔

۲۔ شریعت کے عام مقاصد اور تشریع و تیسر احکام کے جو عام قواعد آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم تھے، ان کی روشنی میں اجتہاد

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مطابق اجتہاد کی یہ دوسری صورت صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے مختص ہے، دوسرے مجتہدین صرف پہلی صورت کے مطابق اجتہاد کرنے کے پابند ہیں (۱۴)

## (ب) عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کا اجتہاد

علمائے اصول فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں صحابہ کرامؓ کو اجتہاد کی اجازت تھی اور ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جن میں صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کیا تھا، جیسے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کے جنبی ہونے کی حالت میں دونوں کا قیاس کرنا، جس کا تذکرہ احادیث میں صراحت سے ملتا ہے۔ تاہم علماء نے اس خیال کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کرامؓ کو اجتہاد و رائے کے اظہار کی اجازت نہ تھی۔ الغرض اس مسئلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں حسب ذیل اقوال ملتے ہیں:

۱۔ ابو علی اور ابو ہاشم کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صحابہ کو اجتہاد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

۲۔ امام غزالیؒ، ابن الصباح اور اکثر فقہائے متکلمین کا نظریہ یہ ہے کہ ان صحابہ کو اجازت تھی جو آپ سے دور رہتے تھے اور آپ کے پاس موجود نہیں تھے، جیسا کہ حضرت معاذؓ بن جبل کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، لیکن جو صحابہ آپ کے پاس موجود تھے ان کو اجتہاد کی اجازت نہیں تھی۔

۳۔ ابن حزم کی رائے یہ ہے کہ اگر صحابہؓ کو احکام میں اجتہاد کرنا ہوتا، جیسے کسی چیز کو فرض کرنا یا حرام تو ایسے اجتہاد کی انہیں اجازت نہ تھی۔ ان احکام کے علاوہ دوسرے مسائل میں اجتہاد کرنا ہوتا تو ان کو اس کی اجازت تھی، جیسے اذان کے سلسلے میں مشورہ کے وقت مختلف صحابہ نے اپنی اپنی رائے پیش کی تھی۔

۴۔ علامہ الآمدی اور ابن الحاجب فرماتے ہیں کہ یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عہد نبوتﷺ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میں صحابہ نے اجتہاد کیا تھا' یہ محض ہمارا گمان ہے کہ انہوں نے اجتہاد کیا ہوگا۔

۵۔ ایک اور نظریہ یہ ہے کہ جن صحابہؓ کو آپ اجتہاد کے لیے حکم دیتے ان کو اجتہاد کرنے کی اجازت تھی' جیسے سعدؓ بن معاذ کو بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے بارے میں حکم دیا تھا' جن صحابہؓ کو آپ حکم نہ دیتے ان کے لیے اجتہاد کرنا جائز نہیں تھا' ہاں اس صورت میں ان کے لیے اجتہاد کرنا جائز تھا۔ جب ان کے اجتہاد کی اطلاع آپ ﷺ کو ہو جاتی اور آپ ﷺ اس کی توثیق فرما دیتے' جیسے ایک مرتبہ ایک جنگ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مسلمان کو جس نے کسی کافر کو قتل کیا تھا' اس کا سامان لینے کے لیے کہا تھا' جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اس کی اجازت دے دی۔

امام شوکانی کی رائے میں صحیح قول یہ ہے کہ ان صحابہؓ کے لیے جو آپ سے دور تھے' اجتہاد کرنا جائز تھا۔ انہوں نے اپنی اس رائے کی تائید میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں۔

معروف صحابی حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک مرتبہ ایسی حالت میں نماز پڑھائی' انہیں غسل کی ضرورت تھی۔ انہوں نے سردی کے سبب غسل جنابت نہیں کیا' بلکہ تیمم کیا اور یہ دلیل دی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" (البقرہ' ۱:۱۹۵) (یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)

جب اس کی اطلاع نبی اکرم ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کے اس اجتہاد کو درست قرار دیا۔

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ غزوہ بنو نضیر کے دوران میں پیش آیا۔ جب نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ نماز عصر بنو نضیر کے علاقے میں جا کر ادا کریں' اس کا مفہوم یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ فوراً چل پڑیں تاکہ وہ نماز عصر تک وہاں پہنچ جائیں۔ راستہ میں نماز کا وقت ہو گیا۔ بعض صحابہؓ نے راستہ ہی میں نماز پڑھ لی اور بعض صحابہ کرامؓ نے اپنا سفر مکمل کرنے کے بعد' اپنے مقام پر پہنچ کر نماز عصر ادا کی۔ آپ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے دونوں کے عمل کو درست قرار دیا (۱۵)

۴۔ عہد صحابہ میں اجتہاد

نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد جس طرح صحابہ کرامؓ نے دنیوی مملکتوں کو اپنے زور بازو اور شوکت اسلام سے سرنگوں کیا' اسی طرح انہوں نے علمی اور فقہی مسائل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اجتہاد واستنباط کے ذریعے نت نئے مسائل کا موزوں حل تجویز فرما کر فقہی اور قانونی کاوشوں کو جلا بخشی۔ علامہ ابن القیم کی کتاب "اعلام الموقعین" اور علامہ ابن حزم کی "جوامع السیرۃ" میں شامل رسالے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہؓ میں اجتہاد کا یہ عمل بڑے وسیع پیمانے پر جاری رہا۔ اور اس میں علما کے ساتھ ساتھ صحابیات اور تابعیات بھی شامل تھیں۔ عہد تابعین اور عہد صغار صحابہ میں یہ بابرکت سلسلہ اور بھی ممتد ہوا اور ہر ایک اسلامی شہر میں مستقل حلقہ فکر پروان چڑھنے لگا۔ انہی علمی اور فکری حلقوں نے بعد میں مستقل مکاتیب فکر کی شکل اختیار کرلی۔ ایک طویل عرصے (تقریباً ابتدائی دو صدیوں تک) کسی روک ٹوک اور کسی قیدوبندش کے بغیر اجتہاد جاری رہنے کے بعد چار ممتاز اور نمایاں حلقے معرض وجود میں آگئے۔ ان چاروں دبستانوں نے اسلام کی آئندہ تاریخ پر گہرے اثرات چھوڑے' لیکن ہم یہاں جو عرض کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان دو صدیوں کے مسلمان مذکورہ بالا چاروں مکاتیب فکر کے بغیر تھے اور ان بزرگوں کی نجات اور ان کی کامیابی کے متعلق کسی ابہام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے حق ان چاروں مسالک فقہ میں محدود نہیں ہے۔

### ۵۔ اجتہاد کی شرائط

اجتہاد چونکہ ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں ہے' اس کے گہرے علم اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس لیے ہمارے اسلاف نے اس کے لیے مختلف شرائط عاید کی ہیں۔ عہد حاضر کے ایک ماہر اصول فقہ نے ان کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

۱۔ چونکہ قرآن حکیم' احادیث مبارکہ اور فقہ کا تمام سرمایہ عربی زبان میں ہے لہذا مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اسے عربی زبان کا اتنا علم حاصل ہو کہ جس سے وہ عربوں کے خطاب اور تعبیر میں ان کے کلام کے مفردات کے معانی اور اسالیب کو سمجھ سکے۔ یہ علم وہ سلیقہ سے حاصل کرے یا کسی سے سیکھ کر' یعنی عربی زبان کے علوم جیسے نحو' صرف' ادب' معانی اور بیان حاصل کر کے ایسا کرے۔

مجتہد کو عربی زبان پر جتنی مہارت حاصل ہوگی' اسی قدر اس کو احکام کی نصوص کو سمجھنے اور ان کے قرب اور بعید معانی کے ادراک پر قدرت ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



۲۔ **قرآن مجید کا علم**

چونکہ احکام اسلام کا بنیادی ماخذ قرآن حکیم ہے' اس لیے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کا علم حاصل کرے۔ خصوصیت سے وہ احکام سے متعلق آیتوں کا تفصیلی علم حاصل کرے۔ بعض علماء نے ان کی تعداد پانچ سو بتائی ہے' مگر حقیقت یہ ہے کہ احکام سے متعلق آیات کو محدود نہیں کیا جاسکتا' کیونکہ باریک بینی گہرے غوروفکر اور جودت ادراک سے دوسری آیتوں سے بھی احکام مستنبط کیے جاسکتے ہیں' خواہ ان کا تعلق احکام کی آیتوں سے نہ ہو' جیسے قصص وامثال سے متعلقہ آیات۔

۳۔ **سنت کا علم**

سنت نبوی (حدیث) چونکہ فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ ہے' اس لیے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ سنت کا علم حاصل کرے' صحیح وضعیف حدیثوں کو پہچانے' راویوں کا حال معلوم کرے' ان کی عدالت' یادداشت' تقوی' اور فقاہت کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ متواتر' اور مشہور احادیث اور اخبار احاد کو سمجھے' صحت وقوت میں احادیث کے درجوں کو پہچانے اور احادیث کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے قواعد معلوم کرے' ناسخ ومنسوخ احادیث کا علم حاصل کرے۔ علماء نے احکام کی احادیث کو بڑے اہتمام سے جمع کیا ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے جو کتابیں تصنیف کی ہیں انہیں فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا ہے' ان کی مختصر اور طویل شرحیں لکھی ہیں۔ ان احادیث سے جو احکام نکلتے ہیں ان کو بیان کیا ہے اور مختلف شہروں کے فقہاء کے مذاہب سے ان کا مقابلہ کیا ہے۔ ان کی اسناد پر گفتگو کی ہے' لہذا یہ ذخیرے بھی مجتہد کی نظر میں ہونے چاہئیں۔

۴۔ **اصول فقہ کا علم**

ہر مجتہد اور فقیہ کے لیے اصول فقہ کے علم کا حصول بھی ضروری ہے' کیونکہ اس علم کے ذریعہ مجتہد شرعی دلائل اور ماخذ اور ان کی ترتیب سے واقف ہوتا ہے اور ان کی طرف مراجعت کرسکتا اور ان سے احکام مستنبط کرنے کے طریقے جان سکتا ہے۔ اس موضوع پر قدیم وجدید زمانوں میں علماء نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں' جن سے اس علم سے متعلق بحثوں اور قواعد سے واقفیت حاصل کرنا اہل علم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لیے آسان ہو گیا ہے۔

۵۔ مواقع اجماع کا علم

مجتہد کا فرض ہے کہ اجماع کے مقامات سے واقفیت حاصل کرے' تاکہ اس کے پاس اس کی واضح تصویر اور ثبوت موجود ہو کہ کس مسئلے میں کب اجماع منعقد ہوا ہے اور تاکہ جن مسائل کے بارے میں وہ اجتہاد کرے' اس وقت وہ اجماع کی مخالفت نہ کرے۔

۶۔ مقاصد شریعت کا علم

اسی طرح اجتہاد کرنے والے شخص کو شریعت کے مقاصد' احکام کی علتوں اور لوگوں کی مصلحتوں سے واقف ہونا چاہیئے تاکہ شریعت نے جن احکام کو صراحت سے بیان کیا ہے وہ ان کا استنباط کر سکے۔ جس کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ وہ استنباط قیاس کے طریقے سے کرے' دوم یہ کہ مصلحت اور لوگوں کی ان عادات ورسم ورواج کی بنیاد پر کرے جن سے وہ اپنے معاملات میں مانوس ہوں اور اس طرح ان کی مصالح پوری ہو سکیں۔

۷۔ اجتہاد کے لیے فطری استعداد کا ہونا

پھر مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں اجتہاد کی فطری استعداد اور صلاحیت بھی ہو' اگرچہ علمائے اصول نے اس شرط کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔

لیکن اس شرط کی موجودگی بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ فطری استعداد سے مراد یہ ہے کہ اس میں فقہی علمیت' لطافت ادراک' صفائی ذہن' دوررس بصیرت' حسن فہم اور ذکاوت ذھن موجود ہو' کیونکہ فطری استعداد کے بغیر کوئی شخص بھی مجتہد نہیں بن سکتا' چاہے اجتہاد کے وہ سارے علوم حاصل کرلے جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

۸۔ کیا اجتہاد کا دور ختم ہو گیا ہے؟

اب ہم اپنے مقالے کے آخر میں اس سوال کا جائزہ لینا چاہیں گے کہ آیا اجتہاد کا دور ختم ہو گیا ہے یا کہ باقی ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس عنوان پر گفتگو سے پہلے مناسب ہو گا کہ تشریع اسلامی کے ابتدائی دور میں ''اجتہاد'' اور قانون سازی کا سلسلہ جس طرح جاری رہا اس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

موجودہ مسالک فقہ میں حنفی مسلک کو تقدم اور اولیت کا شرف حاصل ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ ۱۱۹ھ میں وہ اپنے استاد محترم حضرت حماد بن سلمہ (تابعیؒ) کی جگہ ان کی مسند علمی پر بیٹھے' اس سال کو ان کی فقہی کوششوں کے نقطہ آغاز سمجھنا چاہیئے۔

انہوں نے ایک ایسے دور میں اجتہاد کا آغاز کیا جب عالمِ اسلام کو اس کی ضرورت تھی۔ انہوں نے اس میں جدت یہ اختیار کی کہ انہوں نے اپنے شاگردوں پر مشتمل ایک کونسل تشکیل دی' جس میں مختلف علمی مسائل کے بارے میں مذاکرہ ہوتا تھا اور کونسل میں شامل شرکاء اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے' ان کے جن شاگردوں کو اس بارے میں شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی ان میں امام ابو یوسفؒ' امام محمدؒ' اور امام زفرؒ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ عام طور پر ان بزرگوں کو ''مجتہد فی المذھب'' کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ اصول میں اپنے امام کے مقلد تھے' فروع میں آزادانہ آراء کا اظہار کرتے تھے' لیکن امام ابو حنیفہؒ کے ان تینوں باصلاحیت شاگردوں کے بارے میں مذکورہ نقطۂ نظر درست نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں ڈاکٹر محمد الخضری نے ان کے متعلق بجا طور پر درست لکھا ہے کہ یہ تینوں شاگرد' مجتہد فی الشرع' یعنی مجتہد مطلق تھے۔ انہوں نے نہ تو اصولوں میں امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کی اور نہ ہی فروع میں' امام ابو حنیفہؒ کو اپنا امام تسلیم کیا۔ اسی لیے کتب فقہ میں جہاں ان کی رائے' امام ابو حنیفہ کی رائے سے ملتی ہے' وہاں اسے موافقت قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح گویا وہ امام مالکؒ' امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ہی کی طرح کے مستقل فقیہ اور مجتہد تھے۔ ہمارے بزرگوں کی کتابوں میں ان ائمہ کرامؒ نے امام ابو حنیفہؒ پر جو سخت ترین الفاظ میں تنقید کی ہے۔ بعض جگہ وہ اس تنقید سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے' جو امام شافعیؒ نے احناف پر کی ہے' لیکن ان اختلافات کے باوجود نہ تو ان کے استاد محترم نے ان پر سوے ادب کا فتویٰ لگایا اور نہ ہی بعد کے آنے والوں نے اسے بے ادبی اور گستاخی پر محمول کیا۔ بلکہ جس محبت اور احترام کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کے اقوال کو محفوظ کیا گیا' اسی ادب اور اسی احترام کے ساتھ ان کے شاگردوں کی آراء کو بھی مدون کیا گیا۔ اس سے اجتہاد کے بارے میں حنفی نقطہ نظر کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حنفی مسلک میں جتنا اجتہاد ہوا اتنا اجتہاد کسی اور مکتب فکر میں نہیں ہوا۔

دوسرا بڑا مسلک امام مالک بن انسؒ (۹۳-۱۷۹ھ) کا ہے۔ جو امام اہل مدینہ' کہلاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہیں۔ ان کے فقہی خیالات کی اشاعت مصر اور ممالک اندلس اور افریقہ وغیرہ میں ہوئی۔ ان کے شاگردوں میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی طرح کا تو کوئی بڑا مجتہد نہیں تھا، لیکن ان کے بعض شاگردوں نے امام مالکؒ کے اصولوں کو سامنے رکھ کر ان کی فقہ کی تدوین فرمائی، جو اس وقت المدونہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اس سے ان بزرگوں کی علمی ثقاہت و ژرف نگاہی کا پتہ چلتا ہے۔

امام شافعیؒ (۱۵۰ھ / ۷۶۷ء۔ ۲۰۴ھ / ۸۲۰ء) کا مکتب فکر، تیسرا بڑا فقہی دبستان ہے۔ ان کے دو مسالک معروف ہیں: ان کا عراقی دور، مصری دور سے مختلف ہے، اور مصری دور عراقی / بغدادی دور سے، گویا انہوں نے اپنے ہی خیالات پر نظر ثانی کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ اگر کوئی فتویٰ دینے کے بعد مجتہد کی اپنی رائے بدل جائے تو وہ اپنی سابقہ رائے کے خلاف بھی فتویٰ جاری کر سکتا ہے۔

امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ / ۷۸۰ء۔ ۲۴۱ھ / ۸۵۰ء) کے مکتب فکر میں اجتہاد و قیاس کا استعمال سب سے کم ہوا، لیکن بہر حال اس دبستان فکر نے بھی ایک عرصے تک اس فکر کو زندہ رکھا۔

ان کے فقہی مسلک میں بہت سے فقہاء نے نام پیدا کیا۔ ان چاروں ائمہ میں سے کسی ایک امام یا ان کے کسی شاگرد کا یہ فتویٰ نہیں ہے کہ اب اس دور کے بعد اجتہاد اور قیاس کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجتہاد اور قیاس یا فقہی معاملات میں اظہارِ رائے کا حق کسی بھی دور اور زمانے کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

## ۸۔ عصر حاضر میں اجتہاد یا آزادی رائے کے اظہار کا طریقہ

ہمارے خیال کے مطابق موجودہ دور، جسے دور انتشار اور دور افتراق کہنا چاہیے اور جس میں مسلمان ہر طرح کے انتشار کا شکار ہیں، انفرادی سطح پر اجتہاد یا اظہار رائے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس سے انتشار اور افتراق مزید بڑھے گا۔ ان حالات میں امام ابو حنیفہؒ نے اجتہاد کا جو طریقہ کار اپنایا تھا۔ یعنی جماعتی طور پر اجتہاد کا عمل اختیار فرمایا، یہی طریقہ عصر حاضر کے لیے زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ اس کے لیے جید علمائے کرام اور ماہرین پر مشتمل ایسی مجالس قائم کی جائیں جن میں ہر مضمون کے ماہر لوگ موجود ہوں اور جو مسائل کے بارے میں مکمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بحث و تمحیص اور پوری تحقیق کے بعد اپنی ماہرانہ رائے دیں' اس طریقے سے جو اجتہاد ہو گا' وہ ہر اعتبار سے معیاری ہو گا اور اسے معاشرے میں بہتر مقام ملے گا لہٰذا مناسب ہو گا کہ :

۱۔ ہر بڑے شہر کی سطح پر غیر سرکاری (یا سرکاری) طور پر اہل علم و فضل کے حلقے ر مجالس قائم کی جائیں' جہاں علاقے میں پیش آنے والے جدید مسائل' اور مقدمات کے بارے میں قرآن و سنت کا نقطہ نظر واضح کیا جائے۔

۲۔ اسی طرح قسمت (ڈویژن) اور پھر صوبے اور پھر ملک کی سطح پر اسی قسم کی مجالس علمی قائم کی جائیں جہاں اہل علم و فضل مختلف مسائل و معاملات کے بارے میں آزادانہ طور پر تبادلہ خیال کریں اور جدید مسائل کے متعلق قرآن و سنت پر مبنی نقطہ نظر دریافت کرنے کی کوشش کریں۔

۳۔ حکومت ان مراکز پر اہل علم و فضل کے قیام اور استفادے کے لیے موزوں لائبریریوں وغیرہ کا اہتمام کرے' غیر سرکاری سطح پر یہ کام مختلف ادارے ر مدارس اور دوسرے تعلیمی ادارے بھی کر سکتے ہیں۔

الغرض اس بحث سے حسب ذیل نتائج بر آمد ہوتے ہیں :

۱۔ یہ کہ شرعی مسائل و معاملات میں اجتہاد یا آزادی رائے کا حق کسی خاص دور یا زمانے تک محدود نہیں ہے۔

۲۔ اجتہاد یا اظہار رائے کے لیے بنیادی شرعی علوم' خصوصاً قرآن' حدیث' اصول فقہ اور عربیت وغیرہ میں مہارت کا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ عالم اسلام میں رائج مختلف مسالک فقہ میں سے کسی بھی مسلک کے بانی نے اجتہاد یا اظہار رائے پر پابندی عاید نہیں کی۔

۴۔ البتہ عصر حاضر میں انفرادی طور پر آراء پیش کرنے کے بجائے اجتماعی اور مجلسی طور پر فقہی آراء پیش کرنا مناسب ہو گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



# حوالہ جات

۱۔ مثلاً سورۃ النساء میں ہے "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ (النساء ۴/ ۸۲) کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے)' جبکہ سورۃ الاعراف میں ہے۔ اَوَلَمْ یَنْظُرُوافِی مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَاخَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَئیٍ "(الاعراف ۷/ ۱۸۵) کیا انہوں نے آسمان اور زمین کے انتظام پر اور جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اس پر غور نہیں کیا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن حکیم میں غورو فکر اور کائنات میں غورو فکر یکساں اہمیت رکھتا ہے۔

۲۔ الزمر: ۳۹/ ۹: ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ۔۔۔ کہہ دیجیئے کہ کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے برابر ہیں۔

۳۔ الانبیاء' ۲۱/ ۷

۴۔ النساء' ۴/ ۸۳

۵۔ النساء' ۴/ ۵

۶۔ التوبہ ۹/ ۱۲۲

۷۔ الترمذی' کتاب ابواب تفسیر القرآن' حدیث ۲۹۵۰' ۲۲۵۱

۸۔ مسلم' مقدمہ' حدیث ۱۰۲' ص ۶۷۴

۹۔ الترمذی ۵/ ۱۹۹' حدیث' ۲۹۵' ابو داؤد' کتاب القضایا' حدیث ۲۵۷۷

۱۰۔ الترمذی' ابواب الاحکام' حدیث ۱۳۲۷' ص ۱۷۸۵

پوری حدیث اس طرح ہے۔

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم فیصلے کیسے کرو گے؟ کہا: میں ان احکام کے مطابق فیصلہ کروں گا جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہیں۔ پوچھا! کہ اگر وہ حکم اللہ کی کتاب میں موجود نہ ہو تو؟ کہا: پھر سنت رسول کے مطابق۔ پوچھا کہ اگر کوئی حکم سنت رسول میں بھی نہ ملا تو؟ کہا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اللہ تعالیٰ کے رسول کے قاصد کو سیدھی بات کی توفیق عطا کی۔

۱۱۔ النسائی (کتاب الاقضیۃ) باب ۱۱، حدیث ۵۴۰۱، یہی روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے، ایضاً حدیث ۵۳۹۹

۱۲۔ النسائی، حدیث ۵۴۰۱ (۸)، حدیث ۵۳۹۹

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ محمد مظہر بقا: اصول اور شاہ ولی اللہ، ص ۴۶۵، ۴۵۵۔ ۴۶۴، ۴۶۶

۱۵۔ عبدالکریم زیدان: الوجیز، ص ۶۱۵۶۔ ۶۵۹

۱۶۔ ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



# مقالے پر بحث و مذاکرہ

## شرکاے مذاکرہ

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام، صدر شعبہ اقبالیات جامعہ پنجاب، (صدر مجلس)

۲۔ پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت، ڈین علوم شرقیہ واسلامیہ، جامعہ پنجاب

۳۔ ڈاکٹر محمود الحسن عارف، قائم مقام صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب

۴۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد خلیل، گورنمنٹ کالج سول لائنز، لاہور

۵۔ حافظ محمد عبداللہ، لیکچرار، شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب

۶۔ جناب محمد اعجاز، لیکچرار، شیخ زید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب

۷۔ جناب محمد ارشد، لیکچرار پاک سویڈش انسٹی ٹیوٹ، گجرات

۸۔ کرنل ڈاکٹر عمر فاروق غازی، ڈائریکٹر مولانا مودودی تعلیمی انسٹی ٹیوٹ، لاہور

۹۔ حافظ محمد سعد اللہ، ایڈیٹر منہاج، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور۔

۱۰۔ جناب محمد رفیق چوہدری، استاد علوم اسلامیہ، الہدیٰ انٹرنیشنل، لاہور

۱۱۔ ڈاکٹر محمد امین، سینئر ایڈیٹر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، (سیکرٹری مجلس)

ڈاکٹر محمد امین: بلاشبہ ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب نے ایک مبسوط اور عالمانہ مقالہ پیش کیا ہے اور آزادی رائے کے حوالے سے اجتہاد کے ادارے پر سیر حاصل بحث کی ہے، جس پر میں ان کو مبارک باد بھی پیش کرتا ہوں اور ان کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں، لیکن ہم نے ان سے درخواست کی تھی کہ "اسلام میں آزادی فکر کی حدود" پر مقالہ پیش فرمائیں، اس لیے بحث کے شرکاء اگر دوران گفتگو عنوان میں اس فرق کو بھی ملحوظ رکھیں، تو شائد گفتگو کا تناظر بڑھ جائے۔

ڈاکٹر محمود الحسن عارف: میں نے اپنے مقالے کا عنوان آزادی فکر کی بجائے آزادی رائے اس لیے رکھا ہے کہ کسی انسان کے سوچنے پر تو بہر حال کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی اور ہر آدمی جو چاہے سوچ سکتا ہے۔ اصل چیز "آزادی اظہار رائے" ہے اور اسلام اسی پر پابندیاں عائد کرتا ہے، پھر یہ کہ میرے نزدیک محدثات اور نئے امور کا تعلق بھی زیادہ تر فقہ ہی سے ہوتا ہے اور وہیں غور و فکر اور اجتہاد و استنباط کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے جہاں تک کلامی امور کا تعلق ہے ان میں کوئی نئی بحث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نہیں اٹھائی جاسکتی۔ اور ویسے بھی اس میں لوگ فوراً جذباتی ہو جاتے ہیں اور وہ بہت جلد کفر وضلالت تک پہنچ جاتے ہیں' اس لیے میری رائے میں فقہی امور ہی ہماری غور وفکر کے زیادہ مستحق ہیں۔

کرنل ڈاکٹر غازی : اسلام رائے کی مکمل آزادی دیتا ہے' لیکن ظاہر ہے کہ یہ آزادی قید نہیں ہو سکتی چنانچہ نصوص قرآن وسنت' صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال کے خلاف کسی کو اظہار رائے کی آزادی نہیں دی جاسکتی' پھر یہ کہ آزادی اظہار کا مقصد معاشرے میں نیکی کا فروغ ہونا چاہیے اور مادر پدر آزادی کا تو اسلام میں کوئی تصور ہی نہیں ہے۔

اس امر کی ضرورت بھی ہے۔ پہلے مسائل کا تعین کیا جائے کیونکہ جب تک مسائل کا تعین نہ کیا جائے اور ان کی ترجیحات قائم کی نہ جائیں ان پر غور وفکر کا کیا محل ہو سکتا ہے؟ پھر ان پر غور بھی انفرادی صورت میں نہیں ہونا چاہیے' بلکہ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالے میں تجویز کیا اس کے لیے اجتماعی فورم ہونے چاہئیں۔ مقامی مسائل کے لیے مقامی سطح پر اور بین الاقوامی نوعیت کے مسائل کے لیے بین الاقوامی سطح کے اجتماعی فورم ہونے چاہئیں۔

حافظ محمد سعد اللہ : کوئی شخص اپنے طور پر تو رائے چاہے قائم کر سکتا ہے' لیکن اگر وہ کسی ایسی رائے کا اظہار کرتا ہے جس سے معاشرے پر برے اثرات مرتب ہوتے ہوں اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہو تو ایسے اظہار رائے پر پابندی ہونی چاہیے۔

ڈاکٹر جمیلہ شوکت : انفرادی اور من مانی آراء کی اجازت تو نہیں ہونی چاہیے۔

حافظ محمد عبد اللہ : آزادی رائے کی مختلف بنیادیں ہیں' ان میں سے ایک فقہ بھی ہے' اس وقت بہت سے افراد مختلف مسائل پر اخبارات اور رسائل میں انفرادی آراء کا اظہار کر رہے ہیں' جو بہر حال ایسے سنجیدہ مسائل کا مناسب پلیٹ فارم نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہر فرد کو اظہار رائے کا حق حاصل ہے' خواہ وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کے لیے موزوں پلیٹ فارم ہو یا نہ ہو؟ میرے رائے میں ہمیں بھی صحابہ کرامؓ اور دور اسلاف سے رہنمائی لینی چاہیے کہ وہاں اظہار رائے کی آزادی کتنی تھی؟ صحابہ کرامؓ کے مبارک دور میں فکری مسائل میں آزادی اظہار کا اسلوب بھی نظر نہیں آتا۔ عہد بنو امیہ اور بنو عباس میں اگرچہ خوارج اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



معتزلہ جیسے مکتبہ ہائے فکر ابھر کر سامنے آئے' لیکن جمہور محدثین اور فقہاء کا یہی طرز عمل سامنے رہا ہے کہ انہوں نے ایسے رویوں کی مزاحمت کی۔ آپ کے اس جدید دور میں بھی اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ افکار مغرب کو پرکھا جائے اور ان کا جائزہ لیا جائے کہ ان میں کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟

ڈاکٹر محمد امین : اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی معاشرے میں فقہ کی بہت اہمیت ہے اور حالات کے بدلنے اور زمانے کی رعایت سے بدلنے والے مسائل کا تعلق بھی زیادہ تر فقہ ہی سے ہوتا ہے جن میں حکم شرعی کی دریافت ایک ضروری امر ہے' لیکن اس سے بھی صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کہ فقہ بہر حال پورا دین نہیں ہے اسلامی اور عصری تناظر میں ہمیں آج فقہ کے علاوہ بھی بہت سے مسائل کا سامنا ہے جن میں فکری مسائل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لہذا ہمیں اپنے غور و فکر کو صرف فقہی مسائل تک محدود نہیں رکھنا چاہیے' بلکہ بدلتے ہوئے حالات میں اسلامی فکر کو جہاں بھی چیلنج درپیش ہو اسے غور و فکر کا موضوع بنانا چاہیے۔

عہد رسالت ﷺ سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں لوگوں کو سوچنے اور اس کے اظہار سے منع نہیں کیا گیا' بلکہ صحابہ کرامؓ ان امور میں بھی (خصوصاً دنیوی امور میں) اپنی آرا پیش کرنے سے نہیں کتراتے تھے' جن پر ان کی رائے خود حضور ﷺ کی رائے سے مختلف ہوتی تھی اور روایات و آثار اس کے شاہد ہیں کہ حضور ﷺ اس کا برا نہیں مناتے تھے۔ اس کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں: غزوۂ بدر میں جب حضور ﷺ نے فوج کو پڑاؤ کا حکم دیا تو حضرت حباب بن منذرؓ نے آکر پوچھا کہ کیا آپ ﷺ حکم الٰہی سے یہاں اترے ہیں؟ جب آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ یہ جگہ کچھ پڑاؤ کے لیے موزوں نہیں ہے' بلکہ فلاں جگہ زیادہ موزوں ہے۔ حضور ﷺ نے برا مانے بغیر ان کی رائے قبول فرمائی۔ حضرت بریرہؓ کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ ان کی آزادی کے وقت انہیں یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ چاہیں تو اپنا نکاح برقرار رکھیں یا اسے کالعدم قرار دے دیں تو وہ اسے کالعدم قرار دینا چاہتی تھیں۔ ان کے شوہر ان کی محبت میں دیوانے ہو رہے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت بریرہؓ سے بات کی کہ کہ تم شوہر کے ساتھ رہو' تو انہوں نے کہا کیا آپ حکم دیتے ہیں"؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں سفارش کرتا ہوں۔ حضرت بریرہؓ نے کہا اس صورت میں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جنگ خندق میں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضور ﷺ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نے مدینے کی پیداوار کا ایک حصہ دے کر یہود کے صلح کرنے کا ارادہ کیا' لیکن جب انصار کے سرداروں سے مشورہ کیا تو انہوں نے اس رائے کو مناسب نہیں سمجھا اور حضور ﷺ نے اس کا برا نہیں مانا اور ان کی بات مان لی۔ اس طرح کی بے شمار اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں' لیکن ہم انہی پر کفایت کرتے ہیں (تاہم یہ تمام واقعات دنیوی' خصوصاً حربی امور سے تعلق رکھتے ہیں جن کے متعلق خود قرآن مجید میں آپ ﷺ کو لوگوں سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے)

یہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نصوص قرآن و سنت اور اسلاف کی آراء کے خلاف کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان بقائمی ہوش و حواس قرآن و سنت کے کسی حکم کے خلاف اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتا اور نہ اسلامی معاشرے میں اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی حق رکھتا ہے کہ اس کا مطالبہ کرے۔ دراصل جو بات یہاں زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ قرآن و سنت کی نصوص کے فہم میں اختلاف کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس اختلاف کے اظہار کی آزادی ہے یا نہیں؟ ہمارا موقف یہ ہے کہ اس کی آزادی ہے اور ہونی چاہیئے' اور اسلاف کا ادب بھی اس میں مانع نہیں ہے کہ اسلاف کا ادب ضروری ہے اور کرنا چاہیے لیکن اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا اکرام کیا جائے اور ان کے خلاف زبان طعن دراز نہ کی جائے۔ اس کا یہ تقاضا ہرگز نہیں ہے کہ ادب کے ساتھ ان کی رائے سے اخلاف بھی نہیں کیا جا سکتا' فقہ حنفی اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بار بار امام ابو حنیفہؒ کی رائے سے اختلاف کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ ایک موقع بھی ایسا پیش نہیں کر سکتے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس کا برا مانا ہو یا اس کی مذمت کی ہو۔ خود امام ابو حنیفہؒ کا موقف اس معاملے میں معروف و مشہور ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ اللہ اور رسول (ﷺ) کا حکم سر آنکھوں پر۔ صحابہؓ کی آراء میں سے بھی ہم کسی ایک رائے کو اختیار کرتے ہیں لیکن جہاں تک ابراہیم نخعیؒ' ابن سیرین اور شعبی وغیرہ کا تعلق ہے تو "ھم رجال ونحن رجال" مطلب یہ ہے کہ جس طرح انہیں اجتہاد کا حق حاصل ہے ہمیں بھی حاصل ہے' اصولاً و قانوناً ان کی رائے کو ہماری رائے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کا موقف خوارج کے بارے میں یہی تھا کہ وہ ان کی آراء کو باطل سمجھتے تھے' لیکن اس کے باوجود محض ان کے فاسد خیالات کی وجہ سے آپ نے ان کے خلاف چڑھائی کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک وہ ہمارے خلاف تلوار نہیں اٹھائیں گے' ہم بھی ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائیں گے۔ ان مثالوں سے اسلام میں اختلاف رائے کی آزادی کی حدود کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہ پہلو بھی ہمارے سامنے رہنا چاہیے کہ حریت فکر تخلیقی صلاحیتوں کو جلا دیتی ہے اور سوچ پر پہرے اور پابندیوں سے سوچنے کی صلاحیت مرجھا جاتی ہے' بلکہ مردہ ہو جاتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہان پیدا

مجھے یاد ہے کہ نومبر ۱۹۹۴ء میں جب پاکستانی یونیورسٹیوں اور دیگر اداروں سے آٹھ پاکستانی اسلامی سکالرز کا ایک گروپ حکومت امریکہ کی دعوت پر وہاں کے دینی حالات کے مطالعہ کے لیے گیا تھا' جس کا میں بھی ایک رکن تھا تو جب ہم ڈیٹرائٹ پہنچے تو وہاں ایک اسلامی تنظیم کے تحت تین روزہ سیمینار ہو رہا تھا جس میں ہمارے گروپ نے بھی شرکت کی۔ وہاں مختلف مجالس ہائے مذاکرہ میں سے ایک مجلس مذاکرہ انہوں نے خصوصاً ہمارے لیے رکھی۔ جس میں غور و بحث کے لیے یہ موضوع رکھا کہ پاکستانی جامعات میں دینی علوم کی تدریس کیوں خاطر خواہ نتائج نہیں پیدا کر رہی۔ بحث و مناظرے کے بعد شرکاء جن نتائج پر پہنچے ان میں سرفہرست یہ بات تھی کہ قدامت پسند علماء کے دباؤ کی وجہ سے یونیورسٹیوں میں فکری آزادی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروفیسر اور تحقیق کے طلبہ کھل کر علمی مباحثہ نہیں کر سکتے اور نہ علمی نتائج ان یونیورسٹیوں کی تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں سے نکل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال اور بعض دوسرے مفکرین یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا زوال اسی دن شروع ہو گیا تھا جب انہوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا اعلان کیا تھا۔

میں ذاتی طور پر علماء کی خدمات کا معترف ہوں۔ ہمارے معاشرے میں جو بچی کھچی دین داری موجود ہے' بلاشبہ اس میں ان کی محنتوں اور قربانیوں کا بڑا حصہ ہے' لیکن بڑے ادب کے ساتھ یہ کہے بغیر بھی چارہ نہیں کہ ہمارے ہاں مسلک پرستی کی وبا نے اس وسعت قلبی و نظری کو مجروح کیا ہے جو اہل علم کے درمیان ہونی چاہیے۔ فقہی اور کلامی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کو کافر' ضال اور مضل کہنے کا رجحان بہر حال پسندیدہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارے علمائے کرام فقہی و کلامی اختلافات کو برداشت کرنے اور دوسروں کے آزادی رائے کے حق کو تسلیم کرنے میں جتنی فراخی اور وسعت کا ثبوت دیں گے اتنا ہی یہ ہمارے دین اور معاشرے کے لیے مفید ثابت ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



آخری بات یہ ہے کہ مغربی تہذیب وافکار نے ہمارے نوجوانوں کے اندر ان کے دینی معتقدات کے حوالے سے شکوک وشبہات کی فضا پیدا کر دی ہے۔ ان کے ذہن میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں مساجد ومدارس میں جس طرح کا ماحول ہے اس میں وہ علماء کے سامنے ان کی ناراضگی کے ڈر سے یہ سوالات نہیں اٹھا سکتے‘ اس گھٹن کے نتیجے میں ان کے اندر دین سے بیزاری اور تہذیبی قدروں سے مایوسی اور بغاوت کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ میں آپ کے سامنے اس کی ایک دو مثالیں رکھتا ہوں۔:

ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر‘ جو لاہور میں اعلیٰ عہدے دار ہیں۔ ایک دن مجھے علیحدگی میں کہنے لگے کہ مجھے آپ سے ایک سوال کرنا ہے‘ مسجد کے مولوی صاحب سے تو کہتے ہوئے شرماتا ہوں‘ بات یہ ہے کہ میں دین کا عالم نہیں ہوں‘ لیکن بیالوجی میرا مضمون ضرور ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ جب تک بیضہ انثی سے مرد کے مادہ منویہ کے جرثومے نہ ملیں بچہ پیدا نہیں ہو سکتا؟ میں نے کہا ٹھیک! تو وہ کہنے لگے‘ اب آپ ہی بتائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح جب کچھ عرصہ قبل میں سول سروسز اکیڈمی میں کچھ عرصہ کے لیے پڑھاتا تھا تو ایک دن کلاس میں تعدد ازواج پر بحث ہو رہی تھی‘ ایک نوجوان طالب علم نے آنحضور ﷺ کے تعدد ازواج کے حوالے سے سوال اٹھایا‘ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ سوال مریضانہ ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ایک اسلامی ریاست میں کسی کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اسلامی معاشرہ کا مذاق اڑائے یا اسلامی تعلیمات کے خلاف پروپیگنڈہ کرے‘ لیکن اس بارے میں اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ ہم نے اور ہماری حکومتوں نے مغرب کی لادینی فکر اور بے خدا تہذیب کے لیے ہمارے دل ودماغ کے دہانے کھول رکھے ہیں۔ ٹی۔ وی‘ ریڈیو‘ وی سی آر‘ انٹرنیٹ‘ رسالے‘ نصابی کتب غرض ہر طریقے سے مغربی فکر وتہذیب کی آراء کی یلغار ہمارے ذہنوں پر دن رات ہو رہی ہے۔ دوسری طرف اسلامی تعلیمات اسی زور وقوت اور احسن طریقے سے عوام تک نہیں پہنچ رہیں۔ اس کے نتیجے میں خصوصاً نوجوانوں کے ذہنوں میں بے شمار الٹے سیدھے سوالات پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر ہم نوجوان نسل کے ان لادینی سوالوں کو تحمل سے نہیں سنیں گے اور تحمل سے انہیں نہیں سمجھائیں گے تو وہ دین اور دینی قدروں سے باغی ہو جائیں گے۔ اسی لیے میرا خیال یہ ہے کہ اظہار رائے کے حوالے سے ان نوجوانوں کی حوصلہ شکنی نہیں کرنی چاہیے‘ بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تاکہ ان کے اندر کا زہر باہر نکلے اور ان کو تریاق مہیا کیا جا سکے۔

حافظ محمد سعد اللہ: کہاں ہم اور کہاں امام ابو حنیفہؒ؟ کیا یہ مجلس اجتہاد ہے؟ کیا اس مجلس کے ارکان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مجتہد کی شرائط پر پورا اترتے ہیں؟ آخر فرق مراتب بھی تو کوئی چیز ہے؟

حافظ محمد عبداللہ : ڈاکٹر عارف صاحب نے عبدالکریم زیدان صاحب کے حوالے سے مجتہد کی جو شرائط گنوائی ہیں' ان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ نرم ترین ہیں' سوال یہ ہے کہ آج ہم میں سے کتنے لوگ ان شرائط پر پورا اترتے ہیں؟

ڈاکٹر محمود الحسن عارف : میں پہلے بھی اس رائے کا اظہار کر چکا ہوں کہ فقہی مسائل ہی ہمارے غور و فکر کا موضوع بننے چاہئیں' کلامی مباحث جذباتیت کو جنم دیں گے اور ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ سوائے فکری انتشار اور انارکی کے۔ ایک زمانہ تھا جب اسلامی معاشرہ عروج پر تھا' اس وقت کلامی مباحث کی گنجائش تھی اور اس پر کافی کام ہو چکا ہے۔ نئے کام کی چنداں ضرورت نہیں البتہ جو نئے موضوعات سامنے آئے ہیں' ان پر سوچنے اور قرآن و سنۃ کی روشنی میں ان کا حل پیش کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمیں مغربی فکر و تہذیب کے چیلنج کا سامنا ہے لیکن اس کا حل یہ ہے کہ ہم اپنے معاشرے اور اس کی نظریاتی اساس کے تحفظ کا سامان کریں اور غیر اسلامی افکار کی درآمد پر پابندیاں لگائیں۔ ایک نظریاتی مملکت اور ریاست کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں اور اظہار رائے کی آزادی دیتے وقت ان کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

جہاں تک ہمارے زمانے میں اجتہاد کا تعلق ہے تو اس میں دو مکتب فکر پائے جاتے ہیں۔ ایک علماء کا دوسرا متجددین کا۔ متجددین یہ چاہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کو اجتہاد کا حق دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے ان ارکان کو اجتہاد کا حق کیسے دیا جاسکتا ہے' جن کو قرآن بھی ٹھیک طریقے سے پڑھنا نہیں آتا۔

ڈاکٹر سید محمد اکرم (صدر مجلس)

میں مجلس فکر و نظر کے منتظمین کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اس مجلس مذاکرہ میں حاضر ہونے کی دعوت دی۔ بلاشبہ یہ ایک مفید کام ہے جو اس مجلس نے شروع کیا ہے اور میں توقع رکھتا ہوں کہ یہ ان شاء اللہ جاری رہے گا اور اہل علم اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

جہاں تک موضوع زیر بحث کا تعلق ہے تو آزادی فکر ایک انتہائی نازک معاملہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کیونکہ انسان کی سب سے بڑی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ قوت فکر رکھتا ہے‘لیکن ہماری فکر بہر حال قرآن وسنت کے تابع ہی رہنی چاہیے۔ آزادی فکر ہونی چاہیے۔ آزاد فکر نہیں ہونی چاہیے کیونکہ فکری آزادی ملت کے اندر انتشار کو جنم دیتی ہے‘ جیسے داراشکوہ نے اسلام اور ہندوازم کو جمع کرنے کی کوشش کی یا ہمارے زمانے میں ملعون سلمان رشدی کا معاملہ ہے‘اسی کے لیے اقبالؒ نے کہا ہے کہ ؎

آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

یورپ بے لگام آزادی کا قائل ہے‘ جب کہ اسلام بے لگام آزادی کا قائل نہیں ہے‘ ہمارے لیے تو قرآن وسنت ہی ہر معاملے میں رہنمائی کا بہترین سرچشمہ ہیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کا اسوہ ہی ہمارے لیے بہترین ماڈل ہے اور ہمارے دائرہ فکر کو اس سے باہر نہیں جانا چاہیے۔

یہ سوال بہت اہم ہے کہ کیا پارلیمنٹ کے ارکان کو اجتہاد کا حق ہے یا نہیں؟ میرے نزدیک اہلیت کا معاملہ اہم ہے اور اگر ارکان پارلیمنٹ میں اجتہاد کی اہلیت نہ ہو تو ضروری ہے کہ پارلیمنٹ کی مدد کے لیے ایسے قابل علماء کی ایک ٹیم موجود ہو جن میں اجتہاد کی اہلیت پائی جاتی ہو۔ اجتہاد کا دروازہ بلاشبہہ کھلا ہے‘لیکن اس کے لیے بہر حال شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔ فکر کو قرآن وسنت کا پابند ہونا چاہیئے اور ان کے اندر رہ کر سوچنے کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ جمہوریت‘ سیکولرزم اور ربا جیسے مسائل پر مضبوط اذہان کو پورے غوروفکر کے بعد ہی اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہیے۔

میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجلس کی توجہ ایک اہم بات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اس طرح کی مجلسوں میں اہل علم کا مل بیٹھنا اور ملی ودینی مسائل پر غور کرنا بہت قابل قدر بات ہے‘لیکن اس کا دائرہ بہر حال محدود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ کسی طریقے سے یہ پیغام نئی نسل تک پہنچایا جائے اور ان کی تعمیر افکار اور تعمیر سیرت کی کوشش کی جائے کیونکہ مستقبل تو ان نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم بوڑھوں کے ہاتھوں میں نہیں اور مجھے اس چیز کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ ہماری نئی نسل صحیح رہنمائی کی محتاج ہے۔ اس لیے مجلس کو ایسے طریقے سوچنے چاہییں کہ ہم ان کے دل ودماغ تک پہنچ سکیں اور انہیں اپنے عظیم علمی اور تہذیبی ورثے سے آگاہ کر سکیں تاکہ وہ بھی اپنی تہذیبی اور دینی قدروں پر فخر کرنا سیکھیں اور انہیں غالب وسربلند کرنے کی تڑپ ان کے اندر بھی پیدا ہو۔

والسلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

© rasailojaraid.com